مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی

آسمانی اُردو

سورۂ محمدؐ کے فواصل

پچھلے دنوں میں نے سورۂ محمدؐ کی تلاوت بار بار کی، حتیٰ کہ ازبر کرلیا۔ اس کے "فواصل" عام قرآنی فواصل سے کچھ جداگانہ قسم کے ہیں۔ شعر میں "قافیے" ہوتے ہیں۔ نثر میں "سجع" اور قرآن میں سجع کی بجائے "فاصلہ" کہتے ہیں جس کی جمع ہے فواصل، قرآن پاک میں کہیں یعلمون اور یرجعون جیسے فواصل ہیں اور کہیں مبین و عبین۔ عظیم و کریم، مجید و حمید، رضیاً و سمیاً، قسم کے فواصل ہیں۔ اس کے علاوہ کئی طرح کے فواصل ہیں۔ لیکن سورۂ محمدؐ میں اعمالھم، امثالھم یا ادبارھم، اضغانھم جیسے فواصل ہیں اور اکثر جگہ ھم کی بجائے کم ہے۔ غرض سورۂ محمدؐ کے فواصل کا انداز ہی نرالا ہے۔

ذوقِ سلیم

عربی زبان میں سجع عبارتوں کا دستور نزولِ قرآن سے بہت پہلے سے ہے اور آج تک باقی ہے لیکن عام قافیہ و سجع میں اور قرآنی فواصل میں بڑا فرق ہے۔ اس فرق کو سمجھنے کے لیے جس قدر عقل و فہم یا منطقی دلائل کی ضرورت ہے اس سے کہیں زیادہ لسانی ذوقِ سلیم درکار ہے۔ یہ ذوق منطق کے پیچھے نہیں چلتا منطق اس کے پیچھے چلتی ہے، اور بقول جوشؔ زبان نطق ہے منطق نہیں۔ زبان محض لُغت سے نہیں آتی، اہلِ زبان یا زبان دانوں کی صحبت سے آتی ہے۔ چند مثالیں سنیے!

۱۔ گلہ، شکوہ، شکایت لغتہً ہم معنی الفاظ ہیں، تاہم آپ یہ تو کہتے ہیں کہ "ہمیں نزلے کی مستقل شکایت ہے" لیکن یہ کبھی نہیں کہتے کہ ہمیں نزلے کا مستقل گلہ ہے یا مستقل شکوہ ہے ـــــ ایسا کیوں ہے اس کا تعلق منطقی استدلال سے نہیں، آدابِ استعمال سے ہے۔

۲۔ بقول شبلیؒ شبنم اور اوس (بواو مجہول) بالکل ہم معنی لفظ ہیں لیکن انیس کے دو الگ الگ مصرعوں میں ایک لفظ دوسرے کی جگہ کھپ نہیں سکتا۔

ایک جگہ ہے: ع کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا

اور اگر نثر میں صرف قافیے کی پابندی ہو تو اسے کلام مسجع کہیں گے، دوسرے لفظوں میں جس طرح نظم میں قافیے کی پابندی ہوتی ہے، اسی طرح نثر میں سجع کی پابندی ہوتی ہے اور نظم و نثر میں بس وزن اور بحر کا فرق رہ جاتا ہے۔

کیا چیز مشترک ہے

مقفیٰ نظم اور مسجع نثر میں ایک چیز مشترک ہوتی ہے اور وہ ہے تکلف آورد۔ یعنی کسی مضمون کی وجہ سے وہ قافیہ یا سجع نہیں آتا بلکہ اس قافیے یا سجع کی رعایت سے مضمون لایا جاتا ہے یعنی تقدم قافیہ و سجع کو حاصل ہوتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس تکلف و آورد کی مسلسل مشق کی وجہ سے اتنی روانی پیدا ہو جائے کہ آورد، آمد نظر آنے لگے۔

نثر مفصل

لیکن اگر بلا ارادۂ تکلف اور بدونِ آورد از خود فطری طور پر کوئی سجع یا قافیہ آجائے تو اُسے مقفیٰ یا مسجع کہنے کی بجائے مفصل کہیں گے۔ قرآن میں فواصل یا مفصلات ہیں یعنی اس میں آپ کو جو قافیہ یا سجع نظر آتا ہے وہ مضمون پر تقدم نہیں رکھتا، وہ اس طرح پر نہیں لایا گیا ہے کہ مضمون اس کا تابع نظر آئے، وہ ارادۃً لایا نہیں گیا ہے بلکہ مضمون ہی کا ایک فطری جز ہو کر آگیا ہے۔ یعنی وہاں آپ اس کی جگہ کوئی دوسرا مترادف لفظ ——— خواہ سجع ہو یا نہ ہو ——— رکھنا چاہیں تو وہ پھیکا پڑ جائے گا، آورد اور تکلف نظر آنے لگے گا۔ قرآن میں ہے وَاَفْئِدَتُهُمْ هَوَاءٌ۔ یہاں اگر آپ فلوبھم ھواء کہیں تو وہ بات ہی نہیں پیدا ہو گی، حالانکہ دونوں لفظ بالکل ہم معنی اور مترادف ہیں۔ سورۂ مریم کے تیسرے رکوع میں ہے، اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا۔ سارے قرآن میں ایک ہی بار آیا ہے۔ یہاں اگر آپ رحیما کا لفظ رکھ دیں تو کوئی معنوی فرق نہیں پیدا ہو گا لیکن کلام کی یکسانی و روانی بُری طرح مجروح ہو جائے گی۔ اسی طرح قرآن کریم میں خافَ، خَشِیَ، رھبَ، فَزِعَ، اَوجَسَ وغیرہ ڈرنے کے معنی میں آئے ہیں، لیکن قرآن نے جہاں جس لفظ کو رکھ دیا ہے وہاں کوئی دوسرا مترادف لفظ اس کی جگہ نہیں لے سکتا۔ اور دیکھیے ادخال اور ایلاج ہم معنی ہیں لیکن تولج اللیل کی بجائے تدخل اللیل رکھ کر دیکھ لیجیے کہ ذوق سلیم پر کیا گزرتی ہے۔

فواصل قرآنی

قرآنی فواصل کا بھی یہی حال ہے کہ جہاں جو فاصلہ (سجع) نظر آتا ہے وہاں:

الف : ایک تو کوئی دوسرا مترادف و متبادل لفظ اس جگہ نہیں رکھا جا سکتا خواہ ہم قافیہ ہی کیوں نہ ہو۔

ب : وہ سجع کوئی ایسا تقدم یا اولیت نہیں رکھتا جس کے لیے مضمون لایا گیا ہو یا مضمون کی حیثیت ثانوی ہو گئی ہو یا یہ محسوس ہو کہ یہ فاصلہ و سجع بہ تکلف لایا گیا ہے اور آمد کی بجائے آورد کا کوئی ہلکا سا بھی شائبہ موجود ہے۔

اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے بڑی عمیق و لطیف فراست اور غایت درجے کے ذوق سلیم کی ضرورت ہے۔ محض لغوی چھان بین یا منطقی استدلال سے کام نہیں چلے گا۔

مسجع کلام مختصر ہوتا ہے

یہاں اس حقیقت کو فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ مسجع عبارتیں ہر زبان میں پائی جاتی ہیں، لیکن اس کی مقدار چند جملوں سے زیادہ نہیں ہوتی، صرف عربی خطبات جمعہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ عربی میں ایک قسم کے چند مسجع فقروں کے بعد دوسری قسم کے، پھر تیسری قسم کے سجع شروع ہو جاتے ہیں اور وہ بھی انداز آورد سے خالی نہیں ہوتے۔ فارسی میں مسجع عبارت چند جملوں سے آگے نہیں جاتی۔ گلستان سعدی ہو یا رقعات عالم گیری کہیں چار جملے بھی یکساں مسجع نہیں ملیں گے، بس اس قسم کی مختصر عبارتیں ملیں گی۔

مثلاً پیدا کنید۔ وگردنش بزنید، یا ملک خدا تنگ نیست۔ پائے مرا لنگ نیست وغیرہ۔

یہاں آپ کو کوئی آورد نظر نہیں آئے گی، بالکل بے تکلف فطری آمد روانی ہے۔ لیکن اگر اس پر جنگ، ننگ، سنگ، نہنگ، گنگ کے پانچ جملوں کا بھی اضافہ کریں تو صاف نظر آ جائے گا یہ ٹھوس ٹھانس ہے، تکلف ہے، آورد ہے، فطری روانی و آمد نہیں بلکہ ان اسجاع کے لیے مضامین لائے گئے ہیں، بنائے گئے ہیں اور بہ تکلف سجائے گئے ہیں۔

اُردو میں مسجع نثر

اردو زبان میں مسجّع عبارتوں کا رواج کئی صورتوں میں پایا جاتا ہے۔

الف : ضرب الامثال میں مثلاً جیسی کرنی ویسی بھرنی۔

ب : چیستاں میں جیسے چھوٹی سی بٹیا لمبی سی چٹیا۔

ج : خسرو کے بوجھ بجھوّل میں مثلاً : گھوڑا کیوں اڑا پان کیوں سڑا ؟ —— پھیرا نہ تھا۔

د : منتروں اور کہانیوں میں جیسے۔ ٹانڈپ گت منڈن۔ پرنت ہم مالی سنگ سنگ سان کاد۔

[illegible]

[illegible] سلیم اور لطیف و عمیق ذوق ادب بہ لحاظ القرآن کریم کو [illegible]

[illegible] صاف نظر آئیں گی۔

[illegible] شاعر بھی نہیں۔

۲- [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] میرا خیال

[illegible] خیالات [illegible] کرتے [illegible]

[illegible]

[illegible] اپنے آپ [illegible] کبھی بار خیال ہوا کہ کیا

[illegible] بھی یہ قرآنی انداز اپنایا جا سکتا ہے؟ یہ خیال آیا اور گیا، پھر آیا [illegible]

[illegible] دوسری باتوں کی طرف [illegible] احساسات [illegible]

[illegible] ایک دوسرے کو اپنی خیریت کی [illegible]

[illegible] آج میرے خیالات میں [illegible]

[illegible] زبان میں [illegible] قرآن [illegible]

[illegible]

[illegible] ہیں [illegible] ہے [illegible] کیونکہ [illegible] شاعر [illegible]

[illegible] کہ [illegible] مضمون آفرینی کرتا ہے بلکہ شاعر تو [illegible]

[illegible] ہے [illegible]

[illegible] آزاد [illegible] کسی قسم کی تک بندی ہے اور کچھ بھی نہیں ہے

یہ خیال آتے ہی میں نے کانٹ چھانٹ کا عمل شروع کر دیا اور کوشش کی کہ یہ [illegible] قسم کا [illegible] [illegible] ہو جائے۔ مجھے اس میں تھوڑی سی کامیابی تو ہوئی لیکن پھر بھی محسوس ہوا کہ [illegible] [illegible] اور [illegible] نہیں۔ میں نے ایک بار پھر تسوید و تبییض کا ارادہ کیا [illegible] [illegible] کچھ [illegible] نے لگے

[illegible]

خیال [illegible] کیا تو قرآنی عبارت کا مقابلہ کرنا چاہتا ہے [illegible] [illegible] ایک بے نتیجہ کام میں صرف کر کے [illegible] [illegible] خیال [illegible] نہیں یہ کوئی [illegible] نہیں، یہ تو تخلق باخلاق اللہ [illegible] [illegible] تو کوئی گناہ نہیں بلکہ ایک مرحلے پر یہ اچھے اشعار کی طرح کار ثواب بھی ہو سکتا ہے

[illegible] ایک مسودہ اور تیار ہو گیا جس [illegible] اصلاح کے ساتھ کچھ اضافہ بھی ہوا [illegible] [illegible] اس [illegible] نظر آئے [illegible]

[illegible]

[illegible] کی کوشش کی [illegible]

[illegible] ہوگا۔ یہ بھی درست ہے کہ اس میں [illegible]

آمد ہی نظر آئے گی، جو دراصل آمد نہیں بلکہ آورد کی مدد سے بہ تکلف اُسے آمد بنایا گیا ہے۔ ان سب باتوں کے باوجود آپ یہ محسوس کرنے پر مجبور ہوں گے کہ اس خط میں جا بجا آورد کا تکلف موجود ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض سجع ترک کرنے کو جی نہ چاہا۔

مسجع خط

اچھا تو پہلے وہ خط سُن لیجیے جو "آسمانی اردو" میں اپنے ایک دوست کو لکھا ہے:

آسمانی اردو میں خط

مجھے دراصل انجائنا (Angina) کی بیماری ہے، بڑھاپا تو پہلے ہی سے طاری ہے، نہ وہ اپنے بس میں نہ یہ اختیاری ہے، بحمداللہ علاج و پرہیز جاری ہے، دواؤں کا وزن ہلکا مگر قیمت ذرا بھاری ہے، اب اللہ ہی جانے کون سی دوا نقلی اور کون سی اصلی و معیاری ہے، دواساز پر کیا الزام؟ ہر فرد اپنی جگہ پکا بیوپاری ہے، کہیں علمی سوداگری ہے کہیں روحانی دکانداری ہے، عجیب دور ہے کہ تسبیح شیخ میں شکستگی اور برہمن میں پختہ زنّاری ہے، دونوں مٹی سے بنے ہیں اور یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے۔

مذہب کا یہ حال کہ خدا پرستی سے بیزاری ہے اور خود پرستی کی گرم بازاری ہے، دل میں رام رام اور زبان پر "خالق باری" ہے جس کی فطرت قبولِ باطل سے انکاری ہے، اس کے حصے میں ذلت ہے خواری ہے، فرقہ بندی دین ہے اور اتحاد کی دعوت گویا غداری ہے، ادھر ملامتوں کی بوچھاڑ تو ادھر فتووں کی بمباری ہے، نہ دنیا کی فکر نہ عقبیٰ کی تیاری ہے، حالانکہ:

موت سے کس کو رستگاری ہے　　　آج ہم کل تمھاری باری ہے

پھر کہیں سیاسی مناپلی ہے اور کہیں مذہبی اجارہ داری ہے، ہر قسم کی کتابیں پڑھتے ہیں مگر زیرِ مطالعہ قرآن ہے نہ بخاری ہے، ہلدی کی ایک گانٹھ بھی نہیں مگر پیشہ عطاری ہے، معاشرے کو دیکھو تو بیچ میں لٹکا ہے نہ مکمل خواب ہے نہ پوری بیداری ہے، نہ عمل میں پائداری ہے، نہ ایمان میں استواری ہے، کہنے کو کوئی لیگی ہے، کوئی احراری ہے، کہیں صوفیت ہے کہیں خاکساری ہے، بغل میں چھری اور ہاتھ میں آری ہے۔

معاشیات کا یہ عالم کہ ہر طرف زر کا زور اور نظام بینکاری ہے، کہیں دولت کے ڈھیر اور کہیں مکمل بے روزگاری ہے، کوئی آسودہ حال ہے تو کوئی گداگر بھکاری ہے، کسی کے کھانے میں سوکھی روٹی جس کے ساتھ نہ دال ہے نہ ترکاری ہے اور کسی کے ناشتے میں روغنی نان اور نہاری ہے، اور بعضوں کے نزدیک

شاید اسلام کا مطلب ہی سرمایہ داری ہے، خدا کی زمین پر محنت کشی کے لیے غریب باری ہے، اور ثمرۂ محنت وصول کرنا فریضۂ جاگیرداری ہے، معلوم نہیں یہ دین ہے یا مذہبی طمع کاری ہے؟

ذرا اپنی سیاست پر بھی نظر ڈال لیجیے اگر کوئی ووٹر بالغ مگر عقل سے عاری ہے، تو وہ بھی داخلِ رائے شماری ہے، سرلیڈر کی نظر میں اس کا حریف ایک مداری ہے، جس کے منہ میں بین اور سامنے سانپوں کی پٹاری ہے، لہٰذا اس کے پھندے میں نہ آنا کہ یہی تقاضائے ہوشیاری ہے۔

اخلاق کا یہ حال کہ انسانیت ہے نہ غم خواری ہے، چارہ سازی ہے نہ غم گساری ہے، ہاں کہیں آتش زنی ہے اور کہیں سنگ باری ہے، کرسی کے لیے دین کی خدمت گزاری ہے، بتایئے سادہ دل بندے کدھر جائیں جبکہ درویشی بھی مکاری ہے اور سلطانی بھی عیاری ہے۔

میرا حال تو آپ جانتے ہی ہیں وطن اگرچہ پھلواری ہے، مگر مزاج نہ پنجابی ہے نہ بہاری ہے، اپنے پاس نہ کوئی ایرکنڈیشنڈ کمرہ ہے نہ موٹر کی سواری ہے، نہ اسبابِ عیش ہیں نہ ساز و سامان سے بھری الماری ہے، اب تو بس آگے کی تیاری ہے، تیاری کہاں محض رسمی سی شرم ساری ہے، زندگی سراپا سیہ کاری ہے، نری عصیاں شعاری ہے، لیکن جس کی رحمت کا امیدوار ہوں اس کا کام ہی غفاری ہے، اس کی عادت ہی ستاری ہے۔

میرے اس خط کو محفوظ رکھیے، یہ نتیجۂ فکر نہیں، بس ایک شغل بے کاری ہے، بے تکا سہی مگر ایک نیا اندازِ نامہ نگاری ہے۔

مرحوم ماہر القادری نے اس پر یوں لکھا:

"(ماہر القادری) فی البدیہہ بلکہ ارتجالاً عرض کرنے کی جرأت کرتا ہے:

یہ کوشش نہ جبری ہے نہ اختیاری ہے، اس میں عجیب ندرت اور طرحداری ہے، یہ الہامی اندازہ کی فنکاری ہے، ہر جملہ سدا بہار پھولوں کی کیاری ہے، وار اوچھا سہی مگر چوٹ کاری ہے، آدمی کی زندگی ہی نیاری ہے، کبھی پیمبر تو کبھی مداری ہے، اپنوں سے بیر دشمنوں سے یاری ہے، سنسار میں یہی ریت جاری ہے، کوئی ملکہ تو کوئی پنہاری ہے، اس دُنیا میں اپنی جان ہر کسی کو پیاری ہے! . . .)

آسمانی اُردو

اس کا نام میں نے "آسمانی اردو" رکھا ہے لیکن خدارا یہ نہ سمجھ لیجیے گا کہ کوئی الہام کا دعویٰ کر کے

[illegible]

[illegible] قرآن [illegible] کے مقابلے میں [illegible]

[illegible] اور [illegible] کے الفاظ قرآن پاک میں [illegible]

[illegible]

[illegible] کلام الٰہی [illegible]

[illegible] کلام ربانی اور کلام انسانی میں یہی فرق ہے [illegible]

[illegible]

[illegible] زبان میں عربی کے [illegible] لفظوں کا [illegible] کیا [illegible]

آپ نے کبھی یہ دیکھا یا سنا یا آپ کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات آئی کہ قرآن کا پہلے مسودہ تیار کیا گیا ہو، پھر کانٹ چھانٹ، ترمیم، اضافہ، ردوبدل کرکے نیا مبیضہ تیار کیا گیا ہو؟ دنیا میں آپ کو کوئی شاعر، کوئی مصنف ایسا نہ ملے گا جس نے اپنے کلام یا تحریریں بار بار کانٹ چھانٹ نہ کی ہو، ترمیم و اضافہ نہ کیا ہو، ردوبدل سے کام نہ لیا ہو۔ تمام مطبوعہ تصانیف کی طباعتِ ثانیہ کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ نقشِ ثانی نقشِ اوّل سے بہتر ہوتا ہے۔ لیکن کیا آپ نے کبھی یہ بھی سُنا ہے کہ قرآن کا نقشِ اوّل یہ تھا اور اب نقشِ ثانی پہلے سے بہتر اور زیادہ افادات پر مشتمل ہے؟ جو قرآن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں لکھوایا، وہ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ ردوبدل کے بغیر آج تک اسی طرح محفوظ ہے۔ یہ محفوظیت اس انداز کی نہیں جیسے بعض متبرک یا غیر متبرک یادگاریں جوں کی توں محفوظ رکھ لی جاتی ہیں، یہ محفوظیت اس وجہ سے ہے کہ اس کلامِ الٰہی میں کوئی انسانی ترمیم یا حک و اضافہ ممکن ہی نہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آم کی کچھ پتیاں توڑ کر ان کی جگہ کدو کے پتے لگا دیے جائیں؟ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ نیم کی ایک پتی کا کچھ حصہ توڑ کر اس میں کوئی دوسرا پیوند جوڑ دیا جاتے؟

ربّانی اور انسانی قانون کا فرق

ذرا اپنی اور دنیا کی مجالسِ قانون ساز پر بھی ایک نظر ڈالیے، معمولی معمولی قوانین کے بیسیوں مسودے ہوتے ہیں، نئے سرے سے ٹائپ ہوکر پھر ردوبدل ہوتا ہے، پھر بحثیں ہوتی ہیں اور آخری مبیضہ ہونے کے بعد بھی اس بل کے ایکٹ بن جانے کے بعد بھی بہت سے لوگوں کی نظر میں ناقص ہوتا ہے۔ قابلِ اطمینان نہیں ہوتا لیکن کیا آپ نے کبھی یہ سُنا ہے کہ کسی قرآنی قانون کے بارے میں بھی بحث و مباحثہ کرکے یہ طے کیا گیا ہے کہ اس کا فلاں حکم بدل دینا چاہیے اور فلاں لفظ کی بجائے فلاں لفظ لکھ دینا چاہیے؟ اور تو اور جس پر قرآن نازل ہوا تھا خود وہ بھی اعلان کرتا ہے کہ: مَا یَکُوْنُ لِیْ ان ابدلہ من تلقاء نفسی ۔ میرے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ میں اپنی طرف سے اسے بدل دوں۔ یہ کون کہہ رہا ہے؟ افصح العرب والعجم کہہ رہا ہے۔ خود اس رسولؐ کا بھی جو کلام بغیر کسی ردوبدل کے ہم تک پہونچا ہے اسے بھی قرآن کے سامنے رکھیے تو ایسا ہی فرق نظر آئے گا جیسا خود اللہ اور اس کے رسولؐ میں ہے۔ الفاظِ نبویؐ بھی اپنی جگہ سراپا اعجاز ہیں۔

احادیث کی مسجع عبارتوں کا تو کوئی جواب ہی نہیں خصوصاً ادعیہ کے الفاظ تو نادرۂ روزگار ہیں۔

دو ایک مثالیں سنیے:

احادیث میں سجع

اللّٰھم انی اعوذ بک من قلب لا یخشع۔ ونفسٍ لا تشبع۔ وعلمٍ لا ینفع۔ و دعاءٍ لا یسمع۔ ومن ھٰؤلاءِ الاربع۔

اللّٰھم انی اعوذ بک من جھد البلاء۔ ودرک الشقاء۔ وسوءِ القضاء۔ و شماتۃ الاعداء۔

احادیث میں ایسی ایسی مسجع عبارتیں بے شمار ہیں، اور اگرچہ یہ قرآن کی طرح لمبی نہیں، لیکن ان میں کہیں آورد نہیں۔ قدرتی بہاؤ اور فطری روانی و آمد ہے۔ اس کے باوجود ہر صاحبِ ذوق عربی دان جانتا ہے کہ قرآنی زبان اور اندازِ بیان بالکل جداگانہ، الگ، ممتاز اور یگانہ ہے۔ دونوں کے کلاموں میں وہی فرق ہے جو خود اللہ اور اس کے رسولؐ میں ہے۔

ایک شیطانی وحی

ما و شما کس قطار میں ہیں جبکہ خود سارے عرب نے قرآن کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ ہاں ایک مدعی نبوت نے صاحبِ الہام ہونے کے ثبوت میں جو آسمانی کلام پیش کیا اسے بھی سن لیجیے۔ اس مدعیِ نبوت —— (ابو مسیلمہ کذاب) —— نے کہا کہ مجھ پر بھی سورۂ فیل نازل ہوا ہے۔ آغاز یوں ہے۔ ذرا اپنے ذوقِ سلیم کو ایک طرف رکھ کر سُن لیجیے۔

الفیل ٥ ما الفیل ٥ وما ادراک ما الفیل ٥ حیوانٌ لہ ذنبٌ قصیر وخرطوم طویل ٥

معاف فرمایے۔ اس سے تو کہیں بہتر میری "آسمانی اُردو" ہے، جس میں مَیں نے تقریباً بیس خطوط لکھے ہیں۔